14

وہ بلند مقام حاصل کرنے کی کوشش کرو جو نبیوں کی جماعتوں کو حاصل ہوتا ہے

(فرمودہ 27 مئی 1949ء بمقام ناصر آباد اسٹیٹ سندھ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''جیسا کہ دوستوں کو اخبار سے معلوم ہوتا رہا ہوگا اس دفعہ چار پانچ ماہ سے مجھ پر بار بار جوڑوں کی درد کا حملہ ہوتا رہا اور جلسہ سالانہ کے بعد آنکھوں پر بھی جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا اِسی بیماری کا حملہ ہوا۔ ایک وقت میں تو قریباً نظر بند ہوگئی تھی۔ آنکھوں کے آگے عموماً اندھیرا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ پاس بیٹھا ہوا آدمی بھی پہچانا نہیں جاتا تھا۔

پچھلے سالوں کے تجربہ کی بناء پر میرا خیال تھا کہ ناصر آباد اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں گرمی بہت کم ہوگی اس لیے کوئٹہ کی بجائے میں یہاں آگیا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ اس سال یا تو استثنائی طور پر یہاں گرمی زیادہ ہے یا ان دنوں ہمارا آنا غلطی ہے۔ گرمی کا مجھ پر اس قدر اثر ہے کہ میں نمازوں کے لیے مسجد میں نہیں آسکتا۔ اس وجہ سے میں بعض دفعہ دوستوں سے جو باہر سے تشریف لاتے ہیں ملاقات بھی نہیں کرسکتا۔ بیشک میں کسی نہ کسی شخص سے مل بھی لیتا ہوں لیکن زیادہ ملاقات نہیں کرسکتا۔ اب چونکہ ہم یہاں آگئے ہیں اس لیے جتنے عرصہ کے لیے ہم یہاں آئے ہیں

رہیں گے اور اگر طبیعت اچھی رہی تو کچھ کام کر لیں گے۔

اس کے بعد میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ دنیا بھر میں ہر جگہ پر ایک انقلاب آ رہا ہے۔ بعض جگہوں پر کم ہے اور بعض جگہوں پر زیادہ مگر آ ضرور رہا ہے جس سے پتا لگتا ہے کہ کوئی نہ کوئی تغیر آسمان پر مقدر ہو چکا ہے۔ مذہبی لوگ اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والے لوگ یہ سمجھتے اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ تغیر آخر مذہب کے حق میں ہوگا اور پھر مذہب تمام دنیا پر غالب آ جائے گا۔ لیکن جو لوگ مذہبی نہیں اور جو مذہب پر یقین نہیں رکھتے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ انقلاب ایک دن مذہب کو اُکھاڑ کر پھینک دے گا اور تمام دنیا پر ایک قسم کی اشتراکیت غالب آ جائے گی جو باقی تمام نظاموں کو بدل دے گی۔

ہماری جماعت ان جماعتوں میں سے ہے جو خدا تعالیٰ کے نظام کے دوبارہ دنیا میں قائم ہونے کی قائل ہے۔ ہم دنیا کے سامنے یہ پیش کرتے ہیں کہ بعض ایسی پیشگویاں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے اتباع کے ذریعہ پھر تمام دنیا پر غالب آ جائے گا۔ یہ چیز کسی وقت تو دنیا کی نظروں میں شاندار نظر آتی تھی اور کسی کسی وقت دنیا کی نگاہوں میں ناکام نظر آتی تھی۔ خود اپنی جدوجہد کو دیکھ کر متضاد خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب تک کوئی شخص اندھا دُھند یقین نہ رکھتا ہو متضاد خیالات کا پیدا ہو جانا ممکن ہے۔ لیکن جو شخص عقل سے کام لینے کا عادی ہے، جو شخص سوچنے کا عادی ہے وہ دو حالتوں میں سے ایک حالت میں سے ضرور گزرتا ہے۔ بعض دفعہ وہ کسی چیز کو دیکھ کر جوش میں آ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کے بارہ میں جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ پوری ہوگئی۔ مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ تنظیم کے بدلہ میں 1947ء میں قادیان فسادات سے محفوظ رہا۔ جماعت نے دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے عزت سے قادیان چھوڑا اور جماعت کا ایک حصہ اب بھی وہاں بیٹھا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ جب پنجاب کی کوئی جگہ ہندوؤں اور سکھوں سے محفوظ نہ رہ سکی تھی قادیان محفوظ رہا یا۔ جب وہ ان رپورٹوں کو پڑھتا ہے جو بیرونی ممالک سے ہمارے مبلغین بھیجتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو بڑا بھاری سمجھتا ہے۔ مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ جرمنی، فرانس، انگلینڈ اور دیگر یورپین ممالک کے لوگ ہماری تعلیم سُن کر اس کے قائل ہو رہے ہیں اور عیسائیت سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ کیا عرب، کیا ایران، کیا افغانستان

ساری بیرونی دنیا میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ اس وقت اگر کوئی جماعت غالب آسکتی ہے تو وہ جماعت احمدیہ ہے اور اِدھر وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو اُن کی مثال آٹے میں نمک کی طرح ہے۔ گاؤں کے گاؤں نہ صرف احمدیت سے خالی ہیں بلکہ وہ احمدیت کے نام سے بھی آشنا نہیں۔ دنیا کے کئی علاقے ایسے ہیں جہاں احمدی نہیں پائے جاتے۔ وہ دیکھتا ہے کہ باوجود تعداد میں کم ہونے اور کمزور ہونے کے جماعت کو عظمت حاصل ہے۔ اس قسم کے متواتر خیالات آنے کے بعد وہ خیال کر لیتا ہے کہ وہ جیت گئے یا اُنہوں نے پانسہ مار لیا۔ لیکن جب وہی معقولیت سے دیکھنے والا شخص یہ دیکھتا ہے کہ ہم میں کمزوریاں پائی جاتی ہیں، ہم میں غفلت پائی جاتی ہے، وہ تنظیم اور وہ قربانی اور ایثار جماعت میں نہیں پایا جاتا جو جیتنے والی قوموں میں ہوا کرتا ہے۔ جیتنے والی قوموں کے افراد کو اگر تنظیم کے لیے اپنے بچوں کی قربانی کی بھی ضرورت پڑتی ہے تو وہ کرتے چلے جائیں گے۔ اپنی قوم کو بڑھانے اور اس کو اونچا لے جانے کے لیے ہر قسم کے ایثار سے کام لیتے ہیں۔ جب یہ شخص یہ دیکھتا ہے کہ ابھی اس قسم کی چیزیں جماعت میں پیدا نہیں ہوئیں تو وہ اس شُبہ میں پڑ جاتا ہے کہ کیا یہ ایک پھول تھا جو خوبصورت تو تھا لیکن وہ تھا پھول جس نے درخت کی عمر نہیں پائی۔ گلاب کی شکل آم سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہے، وہ برگد1 سے زیادہ خوشبودار ہوتا ہے لیکن پھول پھول ہی ہوتا ہے وہ درخت نہیں کہلا سکتا۔ جہاں تک خوشبو، نزاکت اور لطافت کا تعلق ہے گلاب کا پودا، برگد، آم اور انگور سے بہت اچھا ہے۔ لیکن جہاں تک مضبوطی اور زیادہ عمر پانے کا تعلق ہے آم کا درخت تین چار سو سال اور انگور اور برگد کے درخت پندرہ سولہ سو سال تک عمر پا جاتے ہیں لیکن گلاب کا پودا چند موسم پھول دے کر ختم ہو جاتا ہے۔ جب وہ ان باتوں پر غور کرتا ہے تو اس کی رائے بدل جاتی ہے۔ مگر ایک مومن جو عقل کی نگاہ سے نہیں خدا تعالیٰ کی نگاہ سے دیکھتا ہے یہ سمجھتا ہے کہ نہ اس نے پہلے کوئی کام کیا ہے، نہ اس نے اب کرنا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے وہ خود کرے گا۔ پہاڑ، ستارے اور دوسری چیزیں جو دنیا میں نظر آتی ہیں وہ کب ہم نے بنائی ہیں؟ کتنے تغیرات ہیں جن میں ہمارا ہاتھ نہیں تھا لیکن وہ واقع ہوئے۔ ان کے سامنے اس کی کچھ بھی نسبت نہیں۔ یہ آپ ہی آپ ہو جائے گا اور خدا تعالیٰ اسے مکمل کرے گا۔ غرض خواہ تقدیرِ الٰہی پر ایمان لانے والا دیوانہ ہو یا معقول فلسفی وہ یقین رکھتا ہے کہ یہ کام خدا تعالیٰ ہی کرے گا۔

بعض فرقے ایسے ہیں جو بنیادی طور پر یہ تعلیم دیتے ہیں کہ سب کام خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے انسان کا ان کاموں میں ہاتھ نہیں ہوتا۔ لیکن بعض فرقے ایسے ہیں جو بنیادی طور پر یہ تعلیم دیتے ہیں کہ بے شک ہر کام خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کام اُس وقت کرتا ہے جب اس کے ساتھ تم بھی وہ کام کرو۔ جب بندے وہ کام نہیں کرتے تو اس کی مدد رُک جاتی ہے اور خدا تعالیٰ ان کو مٹا کر ایک دوسری قوم کھڑی کر دیتا ہے جو اُس کام کو بجا لاتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ الٰہی تقدیر دنیا میں دو طریقوں سے جاری ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندے جب خدا تعالیٰ کے ساتھ نہیں چلتے تو خدا تعالیٰ اپنی مدد روک لیتا ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ [2] خدا تعالیٰ کسی قوم کو تباہ نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو تباہ نہیں کرتی، جب تک وہ اپنا ہاتھ خدا تعالیٰ کی تائید میں ہلاتی رہتی ہے وہ بچی رہتی ہے لیکن جب وہ خدا تعالیٰ کی تائید میں اپنا ہاتھ ہلانے سے رُک جاتی ہے خدا تعالیٰ بھی اپنے ہاتھ کو روک لیتا ہے اور اس قوم کو تباہ کر دیتا ہے۔

اُس کا دوسرا قانون یہ ہے کہ بعض حالتوں میں اگر انسان خدا تعالیٰ کا کام کرنے سے رُک جاتا ہے تو وہ یہ نہیں کرتا کہ اپنی مدد کو روک لے اور مذہب کو تباہ کر دے بلکہ وہ یوں کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کام سے رُک جانے والی قوم سے اپنی مدد کو روک لیتا ہے اور اُس کی جگہ دوسری قوم کھڑی کر دیتا ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اُس کام کو بجا لاتی ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کا دوسرا قانون یہ ہے کہ جب کوئی قوم ایک کام سے اپنے ہاتھ کو روک لیتی ہے تو وہ اُس کے افراد کو تباہ کر دیتا ہے اور دوسری قوم کھڑی کر دیتا ہے۔ یہ سنت زندہ مذہبوں کے متعلق ہے۔

پس احمدیت کے بارہ میں ہم یہ نتیجہ تو نہیں نکال سکتے کہ کوئی کام ہمارے کرنے کے بغیر آپ ہی آپ ہو جائے گا۔ ہمیں وہی نتیجہ نکالنا پڑے گا جو قرآن کریم نے نکالا ہے یعنی اگر تم سُستی کرو گے تو وہ تم کو تباہ کر کے کوئی دوسری قوم تمہاری جگہ کھڑی کر دے گا۔ انسانوں کے ذمہ بعض دفعہ ایسا کام لگا دیا جاتا ہے جس کے متعلق فیصلہ ہوتا ہے کہ وہ ضرور ہوگا۔ غرض اس کام کے پورا کرنے میں انسان کا دخل نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے پورا کرنے میں جو اُس کا حصہ ہوتا ہے اُس کا چھوٹا یا بڑا ہونے میں اُس کا دخل ہوتا ہے۔ پس جہاں تک کہ افراد کے رُتبہ، عزت اور برکات

حاصل کرنے کا سوال ہے اُس حد تک تو واقعات کی رَو میں فرق پایا جا سکتا ہے۔ اگر وہ قربانی کریں تو وہ رُتبہ اور عزت حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر نہ کریں تو تباہ و برباد بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک اصل مقصد کا تعلق ہے وہ بدل نہیں سکتا۔ وہ کام پورا ہو کر رہتا ہے خواہ ان کے ہاتھ سے ہو خواہ وہ کسی دوسرے کے ہاتھ سے۔ ہمارا جو دعوٰی ہے اگر ہم اُس میں سچے ہیں تو ہم دوسری قسم کے لوگوں میں شامل ہیں۔ ہمارے سپرد ایک ایسا کام کیا گیا ہے جو ہو تو جانا ہے۔ ہم اپنی ذمہ داریوں کو ادا کریں تو عزت ہمیں مل جائے گی۔ نہ کریں تو کوئی دوسری قوم اس عزت کو حاصل کر لے گی۔ اور خداتعالیٰ غافلوں کو تباہ و برباد کر کے دوسری قوم کھڑی کر دے گا جو اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے اُس کام کو پورا کرے گی۔ جب ایک نوکر اگر کام نہیں کرتا اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں سُستی اور غفلت سے کام لیتا ہے تو آقا اُس کو گھر سے نکال دیتا ہے۔ اس سے اُس کا کام تو بند نہیں ہو جاتا۔ یا مثلاً سکول جاری کیے جاتے ہیں اگر کوئی مدرّس کام نہیں کرتا تو اُسے نکال دیا جاتا ہے۔ اس سے پڑھائی تو بند نہیں ہوتی بلکہ دوسرا مدرّس رکھ لیا جاتا ہے جو پہلے مدرّس کی جگہ پر کام کرتا ہے۔ غرض یا تو ہماری جماعت وہ کام کرے گی جو خداتعالیٰ کی طرف سے اُس کے سپرد کیا گیا ہے اور یا ایک اَور قوم کھڑی کر دی جائے گی جو خداتعالیٰ کے حکموں کو بجا لائے گی۔

پس ہماری جماعت اگر یہ مضمون سمجھ لے کہ کام تو خداتعالیٰ نے کرنا ہے لیکن عزت اُن کو ملے گی جو اس کام میں خداتعالیٰ کا ہاتھ بن جائیں گے۔ اگر وہ خداتعالیٰ کا ہاتھ نہیں بنیں گے تو وہ اُنہیں باہر نکال کر پھینک دے گا۔ تو یقیناً اس میں ایک سچی تبدیلی پیدا ہو جائے گی اور وہ کامیابی کے راستہ پر چل پڑے گی۔

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ جب وہ کام ضرور ہونا ہے تو وہ آپ ہی آپ ہو جائے گا ہمیں اس میں ہاتھ بٹانے کی کیا ضرورت ہے تو وہ احمق ہے۔ وہ کام تو بیشک ہو جائے گا لیکن وہ اور اُس کی اولاد برباد ہو جائے گی۔ یا اگر وہ سمجھتا ہے کہ بربادی اِس قدر بڑھ گئی ہے کہ اب وہ کام نہیں کر سکتا تو وہ بھی احمق ہے۔ کام تو وہ ضرور ہوگا لیکن اُس کا منہ کالا ہوگا۔ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ تغیرات نہیں ہوئے؟ جن لوگوں نے آپ کی مخالفت کی وہ کس طرح شرمندہ ہوئے۔

پس آج بھی جو چیز دنیا کی نظروں میں ناممکن ہے وہ خدا تعالیٰ کے لیے آسان ہے۔ بعض چیزیں جو دنیا کی نظروں میں عجیب ہوتی ہیں وہ خدا تعالیٰ کی نظر میں آسان ہوتی ہیں۔ چنانچہ اب بھی جو تغیر دنیا میں پیدا ہونے والا ہے وہ خدا تعالیٰ کے لیے نہایت آسان ہے۔

جو احمدی احباب اس کام کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں اخلاقِ فاضلہ حاصل ہیں اُن میں سے بھی ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنی ذمہ داری کو نہیں سمجھتا۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہماری ترقی اُس وقت شروع ہو گی جب ہماری کثرت ہو گی۔ کثرت کے بغیر بھی قومیں کام کرتی ہیں۔ ہندوستان پر انگریزوں نے سینکڑوں سال حکومت کی۔ اُنہوں نے کیا اپنی کثرت کی وجہ سے ایسا کیا؟ اُن کی تعداد چالیس پچاس لاکھ تھی اور چالیس کروڑ کے قریب ہندوستانی تھے۔ گویا آٹھ سو ہندوستانیوں پر ایک انگریز تھا۔ آٹھ سَو بکریوں کو بھی ایک چرواہا قابو میں نہیں رکھ سکتا، آٹھ سو گائیوں کو بھی ایک چَرانے والا اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتا، آٹھ سَو اونٹوں کو بھی ایک چَرانے والا اپنے قبضہ میں نہیں رکھ سکتا، آٹھ سَو مُرغیوں کو بھی ایک آدمی نہیں پال سکتا، آٹھ سَو چڑیوں کی بھی ایک انسان نگرانی نہیں کرسکتا۔ پھر کتنی کمزوری تھی ہندوستانیوں میں اور کتنی خوبی تھی انگریز کیریکٹر کی کہ ایک انگریز آٹھ سَو ہندوستانیوں کو جو اُس جیسے ہی سمجھ بوجھ والے تھے، ایسی ہی عقل رکھتے تھے ایک گڈریا کی طرح نہ صرف چلایا بلکہ ایسی تنظیم اور قانون کے ماتحت چلایا کہ خود ہندوستانی بھی اور دنیا بھی حیران تھی۔ اگر انگریز باوجود قلیل التعداد ہونے کے اپنے سے کثیر التعداد ہندوستانیوں پر حکومت کر سکتے ہیں تو احمدی اپنی خوبی اور حُسنِ سلوک کی وجہ سے لوگوں کے قلوب پر کیوں حکومت نہیں کر سکتے؟ میں نے پاکستان میں سینکڑوں آدمیوں سے یہ سُنا ہے کہ موجودہ حکومت سے انگریز کی حکومت بدرجہا بہتر تھی۔ یہ لوگ معمولی درجہ کے نہیں تھے بلکہ ممبرانِ اسمبلی، بڑے بڑے قومی لیڈر اور اخباروں کے ایڈیٹر تھے۔ میں تو اُن سے متفق نہیں ہوں۔ خدا تعالیٰ نے یہ حکومت ہمیں دی ہے اور یہ بہرحال ہمارے لیے بہتر ہے۔ ہاں! ناتجربہ کاری کی وجہ سے بعض تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں لیکن وہ عارضی ہیں۔

سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ اب خدا تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ کھول دیئے ہیں۔ اب ہمیں کسی سے تکلیف پہنچے تو ہم اُس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پنجرے میں پڑا ہوا جانور چاہے تو آپ

اُس کے آگے موتی ڈالیں یا گندم بہرحال قیدی ہے۔ غرض موجودہ حکومت پہلی حکومت سے بہرحال بہتر ہے۔ اب ہمیں اصلاح کرنے کا موقع حاصل ہے۔ اُس حکومت میں اصلاح کرنے کا موقع حاصل نہیں تھا۔ مگر بہرحال کہنے والوں نے کہا کہ موجودہ حکومت سے انگریزوں کی حکومت بہتر تھی۔ اب کانگرس والے بھی شور مچا رہے ہیں کہ انگریزوں کی حکومت موجودہ حکومت سے بہتر تھی۔ غرض انگریزوں نے سینکڑوں سال تک ہندوستان پر حکومت کی اور ایسی حکومت کی کہ خود قیدی بھی اُن کی تعریف کرتے ہیں اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ قیدیوں کو جیل خانہ سے نکال دیا گیا ہے۔ تم چاہے انہیں بیوقوف کہو یا احمق اُن میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو خواہش رکھتے ہیں کہ کاش! انہیں پھر قیدخانہ کی زندگی مل جائے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ یہ انگریزوں کی عقلمندی تھی، اُن میں ایثار اور قربانی کا مادہ پایا جاتا تھا۔ اگر تم بھی اپنی اصلاح کرلو، لوگوں کے لیے اپنے آپ کو مفید بنا لو، اُن کے لیے سُکھ کا موجب بن جاؤ، اُن سے ہمدردی کرو، عقل سے کام لو اور انہیں عقل سکھاؤ تو تم آسانی سے اُن کے قلوب پر حکومت کر سکتے ہو۔ یہ سب سے بڑی مصیبت ہے کہ ہم عقل سے کام نہیں لیتے۔ بعض دفعہ حکومت بڑی سوچ بچار کے بعد ایک سکیم مرتّب کرتی ہے لیکن ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی اس پر اعتراض کرنے لگ جاتا ہے۔ ہم خود مہینوں کے بعد ایک سکیم بناتے ہیں لیکن بیوقوف لوگ اس پر اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ وہ اُن مشکلات کو مدنظر نہیں رکھتے جن کو مدنظر رکھ کر وہ سکیم تیار کی گئی تھی۔ اگر وہ لوگ اُس سکیم کو نہیں سمجھ سکتے تب بھی انہیں یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اُس پر اعتراض کریں۔ انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ اُسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ فرشتوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی لیکن انہوں نے خدا تعالیٰ کے اس فعل پر اعتراض نہیں کیا بلکہ انہوں نے اسے سمجھنے کی کوشش کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اپنی قوم کی گری ہوئی حالت کا احساس ہوا اور آپ نے خیال کیا کہ میری قوم کیونکر ترقی کرے گی اور خدا تعالیٰ کے وہ وعدے جو میری قوم کے حق میں ہیں کیونکر پورے ہوں گے تو آپ نے اس پر اعتراض نہیں کیا بلکہ اُسے سمجھنے کی کوشش کی۔ جو شخص کسی بات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اُس کا علم بڑھے گا۔ اور جو اعتراض کرتا ہے اُس کا علم گھٹے گا کیونکہ وہ حقیقت کو معلوم کرنے کی بجائے وسوسہ میں پڑ جاتا ہے اور وسوسہ میں پڑ جانے سے اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا جا سکتا۔ تم وہ بلند مقام پیدا کرنے

کی کوشش کرو جو نبیوں کی جماعتوں کو حاصل ہوتا ہے۔ تمہیں یہ بھول جانا چاہیے کہ تم تھوڑے ہو۔ تم اگر معاملات میں سچائی اور دیانتداری سے کام لو گے، تم اگر راستبازی اختیار کرو گے تو لوگ تمہاری ہمدردی، تمہاری مدد اور خوشنودی کو حاصل کرنے کے لیے تمہارے اردگرد خود بخود جمع ہونے شروع ہو جائیں گے اور تمہیں آپ ہی آپ طاقت حاصل ہو جائے گی۔ تم لوگوں کے قلوب پر حکومت کرنے لگو گے۔ گویا تم بے تخت کے بادشاہ ہو جاؤ گے۔ یہی سندھ کا علاقہ ہے اس میں ہم بیشک تھوڑے ہیں لیکن اگر ہم اپنی حُسنِ کارکردگی سے اور خوش معاملگی سے لوگوں میں اثر پیدا کر لیں تو لوگ آپ ہی آپ ہمارے پاس آئیں گے۔ میں نے بعض آدمی دیکھے ہیں وہ تھوڑے تھے لیکن انہوں نے دوسرے لوگوں کے اندر اثر پیدا کر لیا اور یہ حقیقت ہے کہ جو کام ایک آدمی کر سکتا ہے ایک قوم اُس سے زیادہ کر سکتی ہے۔ آپ ایک قوم ہیں۔ انگلستان، جرمنی اور فرانس وغیرہ ممالک اگر غیر ممالک پر حکومت کر سکتے ہیں تو کیوں تم حکومت نہیں کر سکتے؟ وہ لوگ تو دوسروں کو غلام بنانے آئے ہیں۔ آپ اگر انہیں اُبھاریں، اُن کے لیے مفید وجود بنیں اور اُن کے دلوں کو اچھا بنانے کی کوشش کریں تو کیا وجہ ہے کہ اس نمایاں فرق کی وجہ سے لوگ تمہارے دل سے فرمانبردار نہ ہو جائیں، وہ تمہیں اپنا افسر نہ بنا لیں۔ بسا اوقات خدمت کرنے والا مخدوم ہو جاتا ہے اور محبت وہ کام کر جاتی ہے جو زور اور طاقت اور ہتھیار سے نہیں ہو سکتا۔

پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی کمزوریوں پر نظر رکھے بلکہ انہیں دور کرنے کی کوشش کرے۔ تم یہ مت سوچا کرو کہ تم کمزور ہو۔ تم یہ سوچا کرو کہ تم اس طاقت سے جو تمہیں حاصل ہے کس طرح فائدہ اُٹھا سکتے ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اس علاقہ میں جہاں ہم غیر کے طور پر ہیں لیڈروں کے طور پر رہیں گے اور ناراضگی سے نہیں بلکہ ہماری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے لوگ ہمیں لیڈر قرار دیں گے۔ مگر ضرورت ہے قربانی کی، ضرورت ہے ایثار کی، ضرورت ہے محنت کی۔ جب تک یہ چیزیں پیدا نہیں ہو جاتیں ہم اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے"۔

(الفضل 28/ اگست 1949ء)

1 : برگد: بڑ کا درخت جس میں لمبے لمبے گُچھے سے لٹکے رہتے ہیں۔

2 الرعد: 12